طرابلس کے شہیدوں کا لہو

(بانگِ درا کی نظموں کی روشنی میں عرب دنیا کی صورت حال کا تجزیہ)

فہیم ارشد

Abstract:

Allama Muhammad Iqbal, the poet, philosopher and politician, expressed strong views on various political and social issues of his time, including the colonial struggles of Muslim nations. He has reflective observation about Muslims struggling in Tripoli, Edirne, Balkans, Palestine etc. Iqbal has expressed deep concern for the suffering of innocent people during wars, particularly those who were caught in the crossfire of colonial conflicts. Iqbal pays tribute to Freedom fighters of Tripoli against Italian occupation. After passing a century, the situation in the central Asia especially in Arab world is same. There is unrest in Libya, Syria, Yamen, Lebanon and Palestine.

In this article, situation of a century ago will be discussed under the light of Iqbal's point of view expressed in Bang e Dara's poems like Shikwa, Jawab e Shikwa, Hazoor Rasalat Ma'ab mein, Fatimah bint Abdullah, Muhasra e Erdna, Dariyuza e Khilafat, Shama aur Shaer,Khizr e Rah and Tulu e Islam. Furthermore, current situation of Arab world specifically situation of Gaza, Libya, Syria, Yamen, Lebanon and Palestine will be discussed.

ابتدائیہ

مفکر، شاعر، ادیب اور دانشور معاشرے میں ایسے مصلح کا کردار ادا کرتے ہیں جو سماجی، سیاسی اور ثقافتی مسائل کا حل پیش کرے۔ وہ ہر اس مروجہ نظام، اصول و نظریات کو چیلنج کرتے ہیں جن کی بنیاد غیر منصفانہ ہو۔ وہ ہر اس سماجی روایت، حکومت یا معاشی نظام کے خلاف موثر آواز اٹھاتے ہیں جس کی وجہ سے عدم مساوات، جبر، یا جمود برقرار رہے۔ ایک حقیقی مصلح صرف تنقید نہیں کرتا بلکہ قوم کے لیے نیا راستہ تلاش

کرتا ہے۔ وہ ان مسائل کا حل تجویز کرتا ہے، ایسا متبادل نظام پیش کرتا ہے جس سے زندگیوں میں بہتری آئے گی۔ وہ قوم کو اس کے ماضی سے جوڑ کر عظمت رفتہ کی یاد دلاتا ہے جبکہ مایوسی سے نکال کر روشن مستقبل کی نوید سناتا ہے۔ برصغیر پاک وہند کے مسلمان اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ انھیں علامہ اقبال جیسا مفکر و مصلح نصیب ہوا جس کی عمیق نظر ہندوستان کے عصری مسائل کے ساتھ ساتھ، مشرق و مغرب میں جاری تحاریک پر بھی تھی۔ ایک طرف وہ اتحاد امت کے داعی تھے تو دوسری طرف انسانیت کے علمبردار جس کے لیے ایک انسان کی زندگی وبقا دنیاومافیہا سے مقدم تھی۔ علامہ اقبال کے تاریخی شعور اور دین اسلام سے والہانہ محبت اور عقیدت کا اندازہ کیجئے کہ انہوں نے آج سے ایک صدی قبل بین الاقوامی حالات پر اپنے نظم و نثر میں براہِ راست اور بالواسطہ تبصرے کئے۔ علامہ اقبال کی فکر کی گہرئی اور گیرائی کے بارے تبصرہ کرتے ہوئے انڈین مفکر وماہر اقبالیات عزیز احمد اپنی کتاب "اقبال نئی تشکیل" میں فرماتے ہیں:

> "اقبال کا پورا کلام پڑھنے کے بعد اقبال کے اطراف بہت کچھ پڑھنا پڑتا ہے۔۔۔ سب کچھ پڑھنے کے بعد، پھر اقبال کو پڑھئے تو ضرورت محسوس ہوتی کہ ابھی تو بہت کچھ پڑھنا باقی ہے"[i]۔

امت مسلمہ کی زبوں حالی پر اقبال کی تڑپ

علامہ اقبال نے جس معاشرے میں آنکھ کھولی اس میں ہر طرف جبر، غلامی، ناانصافی کا دور دورہ تھا۔ ہندوستان کے مسلمان تو دوہری غلامی کا شکار تھے ہی لیکن مسلم امہ مجموعی طور پر مذہبی، معاشی، معاشرتی و تہذیبی انحطاط کا شکار تھے۔ ایک طرف سلطنت عثمانیہ اپنی آخری سانسیں لے رہی تھی تو دوسری طرف ہندوستان میں ناکام جنگ آزادی کے بعد مسلمان انگریزوں اور ہندووں کی مشترکہ دشمنی، ظلم وستم کا شکار تھے۔ ایران، افغانستان اور مشرق وسطی کی دیگر ریاستیں روس کی دشمنی کا شکار بن کر رہ گئیں تھیں۔ مسلم دنیا میں نام نہاد اصلاحی وترقی پسندانہ تحاریک زوروں پر تھیں جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ دین بھی ہاتھ سے گیا اور دنیا بھی۔ خلافت عثمانیہ کا پایہ تخت جس نے بیک وقت تین براعظموں پر حکومت کی، یورپ کا مرد بیمار کہلایا۔ پہلی جنگ عظیم میں جرمنی کا ساتھ دینے کی فاش غلطی کا خمیازہ اسے بھگتنا تھا۔ ان حالات میں علامہ اقبال نے اپریل ۱۹۱۱ء میں حمایت اسلام کے جلسہ میں اپنی شہرہ آفاق نظم "شکوہ" پڑھی۔ آیئے مختصرا ان عوامل پر روشنی ڈالتے ہیں

جن کے پیشِ نظر علامہ اقبال اللہ جل شانہ سے "شکوہ" کرنے پر مجبور ہوئے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اپنی تصنیف "اقبال کی طویل نظمیں" میں یوں رقم طراز ہیں:

"شکوہ کی تالیف کے زمانے میں سلطنت عثمانیہ کے بہت سے علاقے براہ راست برطانوی تسلط میں تھے۔ ایران پر عملاً روسی، برطانوی اور کسی حد تک جرمن اثرات کی احکمرانی تھی۔ ادھر عرب نیشنلزم کے اثرات تیزی سے پھیل رہے تھے۔ لارنس آف عریبیا جیسے لوگ بڑی سرگرمی سے اس کے لیے کام کر رہے تھے اور عرب، ترکوں کے خلاف آمادۂ بغاوت تھے۔ نوجوان ترکوں کی تحریک کے زیر اثر ترکی میں لادینیت اور تورانی قوم پرستی فروغ پا رہی تھی۔ اندرونی خلفشار کے علاوہ بیرونی طاقتیں عثمانی سلطنت کے لیے نت نئے مسائل کھڑے کر رہی تھیں۔ صیہونی، سلطنت عثمانیہ کی بربادی اور خاتمے کے لیے سازشوں میں مصروف تھے۔ ہندی مسلمان یا تو کانگرس کے حاشیہ بردار تھے یا ان میں الا ماشاءاللہ Yours most obedient servant قسم کے رہنما پائے جاتے تھے جو مغرب سے بے حد مرغوب تھے"[ii]۔

امت مسلمہ کی نازک اور دردناک صورت حال سے ہندوستان کے ادیب، دانشور، مفکر و مدبر علیحدہ نہ رہ سکے۔ علامہ اقبال کی نظم "شکوہ" سے قبل مولانا الطاف حسین حالی "شکوۂ ہند" پیش کر چکے تھے جسے پڑھ کر آج بھی کسی اہل دل پر پژمردگی اور الم و یاس کی کیفیت طاری ہو جائے گی۔ لیکن نظم "شکوہ" میں علامہ اقبال کے جارحانہ انداز اور شعلہ بیانی کی وجہ سے قاری کے دل کو تقویت ملتی ہے اور اس میں ایک نیا جوش، ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ گو کہ اس کا انداز اللہ جل شانہ سے شکوہ کا ہے لیکن اس میں مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو اس خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے کہ عام مسلمانوں میں بالعموم جبکہ نوجوانوں میں بالخصوص حرکت و عمل کا جذبہ بیدار ہوتا ہے، اس کے بعض اشعار مسلم امہ کی موجودہ صورت حال پر ایسے صادق آتے ہیں جیسے آج کل میں ہی لکھے گئے ہوں۔ آج بھی مسلمان زبانی جمع خرچ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کے دعویدار تو ہیں لیکن عملی طور پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے رستے پر چلنے کو تیار نہیں۔ جب نظم "شکوہ" شائع ہوئی تو نام نہاد ملاوں کی سرکردگی میں علامہ اقبال کے خلاف ایک محاذ قائم کر دیا گیا، لیکن اہل علم و ادب کے لیے اس میں

آفاقی پیغام دیا گیا کہ مسلمانوں کی زبوں حالی کا ذمہ دار کوئی اور نہیں بلکہ وہ خود ہیں۔ اللہ کی رسی یعنی قرآن اور اسوۂ حسنہؐ سے بے اعتنائی برتنے کے نتیجے میں مسلم امہ اس حال میں پہنچی ہے۔ نظم "شکوہ" کے بارے میں معروف انڈین محقق، مصنف، ماہر اقبالیات ڈاکٹر سید عابد علی عابد یوں رقم طراز ہیں:

> "اس نظم کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں اقبال نے اسلام کی زندہ اور فعال قوتوں، ماضی کے مسلمانوں کی عظمت و شوکت اور اوج کے بعد زوال کی داستان بیان کی ہے۔ رنگ مرثیہ اختیار نہیں کیا، جس سے طبائع پر افسردگی طاری ہوتی، بلکہ مسلمانوں کے عظیم الشان، حوصلہ افروز اور زندہ جاوید کارنامے کچھ اس انداز سے پیش کیے کہ زوال خوردہ قوم کے حوصلوں میں ابھار اور قوت عمل میں تازگی پیدا ہو گئی"[iii]۔

اسی طرح نظم "غرۂ شوال یا ہلال عید" جو علامہ اقبال نے ۱۹۱۱ء میں عید کے حوالے سے لکھی، بظاہر اس میں علامہ اقبال ہلال عید سے خطاب کر رہے ہی لیکن در حقیقت یہ نوجوانان ملت سے خطاب ہے جس میں ایران کی پریشان کن صورت حال اور عثمانی خلیفہ سلطان عبدالحمید ثانی جو کہ آخری بااختیار خلیفہ تھے، کو ہٹانے پر بہت رنجیدہ تھے۔ آخری شعر میں اس طرف اشارہ کیا کہ

چاک کر دی تُرکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ، اَوروں کی عیّاری بھی دیکھ[iv]

بانگ درا کی نظم "شمع اور شاعر" جس میں بنیادی طور پر قوم کو عشق رسول ﷺ کی طرف راغب کرنے اور یورپی استعماری تہذیب کی چکاچوند سے بچنے کی ترغیب دی ہے۔ علامہ فرماتے ہیں:

کعبہ پہلو میں ہے اور سودائیِ بُت خانہ ہے
کس قدر شوریدہ سر ہے شوقِ بے پروا ترا[v]

اے مسلم !اس سے زیادہ افسوس کس بات ہو کہ تیرے پاس کعبہ موجود ہے لیکن تیرا دل بت کدے کی طرف مائل ہے۔ یعنی مکمل ضابطۂ حیات ہونے کے باوجود مغربی تہذیب سے بری طرح متاثر ہے اور اسلامی تعلیمات سے دور ہے۔ شمع کی زبان سے جو حقیقت اس بند میں بیان کی گئی ہے آج عرب دنیا کی حالت جوں کی توں ہے۔ عرب اسپرنگ کے نتیجے میں تیونس کا انقلاب ہو یا مصر میں اخوان المسلمون کی حکومت،

عراق، لیبیا، شام میں ڈکٹیٹرز کے خلاف یورپی استعماری قوتوں کی پشت پناہی کے نتیجہ میں مصنوعی بغاوت کا ماحول پیدا کیا گیا۔ عراق پر بے بنیاد الزامات کے نتیجے میں چڑھائی اور ایک دفعہ پھر سقوط بغداد کے بعد کی صورت حال کے انتہائی سنگین نتائج امت مسلمہ کو بھگتنے پڑے۔ نام نہاد روش خیالی اور لبرل ازم کے زیر اثر عرب دنیا بشمول سعودی عرب اور متحدہ عرب عمارات میں جاری ماڈرنائزیشن کی لہر نئی نہیں۔ علامہ اقبال کا ایک صدی پرانا نوحہ آج کی صورت حال پر عین صادق آتا ہے۔ اس نظم میں علامہ اقبال نے مسلم امہ کی زبوں حالی، بد دلی، مایوسی، بدحالی جبکہ مسلم لیڈرشپ کی نااہلی کے بعد مستقبل کی نوید سنائی۔ اس نظم میں ایسی پیش گوئیاں کی گئیں جو من و عن پوری ہوئیں۔ پہلی جنگ عظیم اس نظم کے کچھ سالوں بعد شروع جس میں نام نہاد ترقی یافتہ و مہذب مغربی تہذیب کا بھانڈہ پھوٹ گیا۔ اس کے دو دہائیوں بعد علامہ اقبال کی وفات کے کچھ سال بعد دنیا کی ہلاکت خیز ترین دور یعنی دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی جس سے زیادہ تباہی آج تک چشم فلک نے نہ دیکھی ہو گی۔ جس طرح پہلے بیان کیا گیا کہ ایک مصلح نا صرف قوم کی برائیوں کی نشاندھی کرتا ہے بلکہ اس کا حل پیش کرتا ہے۔ اسی طرح اس نظم میں علامہ اقبال نے فرشتے کی زبان سے قوم کی ترقی کا حل پیش کیا کہ ظاہری پریشانی، بے سر و سامانی سے پریشانو مایوس نہیں ہونا بلکہ ایمان کی قوت، باہمی اتحاد و یگانگت اور امت کے نظم و ضبط کے ذریعے ہدایت کے منبع کی طرف لوٹنا ہی مسائل کا حل ہے۔ نظم کے آخری بند میں علامہ اقبال نے مسلمانوں کو حسین اور تابناک مستقبل کی نوید سناتے ہیں۔

آ ملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک
بزمِ گُل کی ہم نفَس بادِ صبا ہو جائے گی[vi]

طرابلس کے شہیدوں کا لہو

۶، اکتوبر ۱۹۱۱ء کو علامہ اقبال نے حمایت اسلام کے جلسہ میں نظم "حضور رسالت مآب ﷺ میں" پڑھی۔ ترکوں پر انگریزوں، اطالویوں اور فرانسیسی فوجوں کی یلغار پر مسلمانوں میں غم و غصہ، ایثار و قربانی کا جذبہ پایا جاتا تھا۔ ۱۹۱۱ء میں اطالوی فوجوں نے سلطنت عثمانیہ کی کمزوریوں اور اندرونی خلفشار کا فائدہ اٹھاتے ہوئے طرابلس پر حملہ کر دیا جو ترک خلافت کا ایک صوبہ تھا، لیکن ترک، مصری اور عرب مجاہدین ان کے خلاف سینہ سپر ہو گئے اور یہ جنگ تقریبا ایک سال جاری رہی۔ دوسری طرف یورپی طوقتوں نے بلقان کی طرف سے ترکی پر حملہ کر دیا جس کے نتیجے ترک فوجوں کو طرابلس کا محاذ چھوڑ کر واپس ترکی لوٹنا پڑا۔ گو کہ اٹلی طرابلس پر

زیادہ عرصہ تک قبضہ برقرار نہ رکھ سکا لیکن وہ دور مسلمانوں کے لیے مصیبت اور ہزیمت کا دور تھا۔ مولانا ظفر علی خان کی اپیل پر ترکوں کے ساتھ اظہار یکجہتی و مالی امداد اکٹھی کرنے کے لیے حمایت اسلام نے یہ جلسہ منعقد کیا گیا۔ علامہ اقبال نے نبی اکرم ﷺ کے حضور التجا کی کہ ہر طرف مایوسی ہے، کوئی سبیل نظر نہیں آتی، کہیں آرام و سکون نصیب نہیں ہے، اگرچہ میرے باغ میں ہزاروں پھول و کلیاں ہیں لیکن وہ کلی نہیں ملتی جس کی مجھے تلاش ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، اس نظم کے آخری مصرع میں جنگ طرابلس کی طرف اشارہ کیا ہے جو نہایت خونریز جنگ تھی، اس میں اٹلی کی فوج نے ترکوں اور لیبیائی باشندوں کا بے دریغ قتلِ عام کیا۔ جس پر علامہ اقبال یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ اے میرے رسول اقدس ﷺ! میں ایسا آبگینہ لایا ہوں جو طرابلس کے شہیدوں کے لہو سے لبریز ہے، یہ آپ کی نذر کرتا ہوں، قبول کیجیے۔ اب تو یہ ہنگامے، یہ قتل وغارت گری، یہ الم و یاس کا دور اپنی امت سے دور کر دیجیے۔ اس جنگ کے دوران معصوم عرب لڑکی فاطمہ بنت عبد اللہ کی شہادت کے واقعے نے علامہ اقبال کو بہت رنجیدہ کیا۔ طرابلس کی جنگ میں عرب سردار روایتی انداز میں اپنے خاندان سمیت شامل ہوئے، جن میں ایک سردار عبد اللہ کی تیرہ سالہ بچی فاطمہ بنت عبد اللہ جو جنگ میں زخمیوں کو پانی پلاتی ہوئی شہید ہوئی۔ نومبر ۱۹۱۲ء کے رسالہ "الہلال" میں اس کی تصویر اور دردناک شہادت کی خبر پڑھ کر علامہ اقبال اس قدر مضطرب ہوئے کہ "فاطمہ بنت عبد اللہ" کے عنوان سے مرثیہ لکھا جو "بانگ درا" میں شامل ہے:

فاطمہ! تو آبروئے امت مرحوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مشت خاک کا معصوم ہے
یہ سعادت، حُورِ صحرائی! تری قسمت میں تھی
غازیانِ دیں کی سقّائی تری قسمت میں تھی
یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپَر
ہے جسارت آفریں شوقِ شہادت کس قدر [vii]

اس دوران علامہ اقبال کو یہ خبر ملی کہ انگریز جدہ میں ایک جدید ہسپتال بنانے کی منصوبہ بندی کر رہا ہے، جس پر آپ نے نظم "شفاخانۂ حجاز" لکھی، جس میں انگریز پر طنز کی گئی کہ ایک طرف تو مسلمانوں کے خون کی ہولی اور دوسری طرف مرہم پٹی، یہ سب حیلے بہانے اور ڈھکوسلے ہیں۔ شہ بطحا کے قرب میں عیسی معالج بن

کر آئے یعنی مسلمانوں کے درد کی دوا عیسائیوں کے پاس نہیں ہو سکتی۔ یہ مریض عشق ہیں، عقل ان کے علاج میں ناکام ہو گی۔

نظم "شکوہ" کے ڈیڑھ برس بعد ۱۹۱۳ء میں علامہ اقبال نے اس کا جواب لکھا جو "جواب شکوہ" کے عنوان سے بانگ درا میں شامل ہے۔ علامہ اقبال کی نظم "شکوہ" کی وجہ سے بعض حلقوں کا یہ بھی کہنا تھا کہ علامہ اللہ سے نعوذ باللہ گستاخی کے مرتکب ہوئے ہیں لیکن علمی و ادبی حلقوں میں ییہ تاثر بھی پایا جاتا تھا کہ اس کا جواب بھی اقبال ہی دے سکتے ہیں جناچہ "جواب شکوہ" پڑھے نے سے پہلے اس کی خاطر خواہ تشہیر کی گئی۔ ایڈیٹر "زمیندار" مولانا ظفر علی خاں نے اس سلسلہ میں ایک عظیم الشان جلسے کا اہتمام کیا۔ لوگوں کا جم غفیر علامہ اقبال کو سننے کے لیے اس میں شریک ہوا۔

"جواب شکوہ" کے بارے میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی یوں رقم طراز ہیں:

> "شکوہ میں مسلمانون نے دہائی دی تھی کہ ہم نے باطل کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر کے قرآنی تعلیمات پھیلانے اور کعبہ اللہ کو آباد کنے کا عظیم الشان خدمت انجام دی۔ یہاں (جواب شکوہ میں) اس دعوے کی تردید کی جار ہی ہے۔ استفہامیہ انداز کی وجہ سے تردید کا رنگ طنزیہ ہے۔ در حقیقت نظم میں اقبال نے امت مسلمہ کی فکری و اعتقادی گمراہیوں، کج رویو اور عملی کمزوریوں کو بڑے موئثر انداز میں بے نقاب کیا ہے"۔

یوں تو سیّد بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟[viii]

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ پہلی جنگ عظیم میں عثمانی خلیفہ نے جرمنی کا ساتھ دیا۔ اس جنگ میں جرمنی کی شکست کے ساتھ ہی خلیفہ کو بھی ہتھیار ڈالنے پڑے۔ اتحادی فوجیں استنبول میں داخل ہو کر عثمانی سلطنت کے حصے بخرے کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ پہلے ہی اس سلطنت کے بیشتر حصوں ہو یورپی استعماری قوتیں قابض ہو چکی تھیں، ترکی اب اس مقام پر پہنچ چکا تھا کہ دوسرے اسلامی ممالک کی طرح غلامی کا طوق اس کی گردن میں بھی رکھا جانے والا تھا۔ آخری سلطان معاہدہ سیورے کے بعد محض کٹھ پتلی بن کر رہ گیا تھا اور ترکی کو ''یورپ کا مرد بیمار'' کہا جا رہا تھا۔ اقبال نے اسی صورت حال کو ''پیام مشرق'' میں یوں بیان کیا ہے:

آلِ عثمان در شکنج روزگار
مشرق و مغرب ز خونش لالہ زار[ix]

اسی زمانے میں ہندوستان میں سلطنت عثمانیہ کی سلامتی، ادارہ خلافت کی بحالی اور ترکوں کی آزادی کے حق میں ایک بھرپور تحریک چلائی گئی جو تحریک خلافت کے نام سے مشہور ہوئی۔ علامہ اقبال بعض وجوہ کی بنا پر اس تحریک کے حق میں نہ تھے۔ ان کے نزدیک تحریک نے حصولِ مقصد کے لیے مناسب راہ اختیار نہیں کی تھی۔ ان کے مطابق تحریک میں حکومت برطانیہ کو ترکی کے بارے میں اپنے مذموم مقاصد سے دستبردار کرنے کے لیے مطلوبہ قوت نہ تھی نیز تحریک کے انداز فکر و عمل سے تصورِ غلامی اور دریوزہ گری کا انداز ظاہر ہوتا تھا۔ ہندوستان کے مسلمانوں پر مشتمل ایک وفد تاج برطانیہ سے درخواست گزار ہوا تو علامہ اقبال نے اس پر نظم "دریوزۂ خلافت" لکھی جو بانگ درا میں شامل ہے۔ یعنی خلافت کی بھیک مانگنے سے کچھ حاصل نہیں۔ وفد برطانیہ سے ناکام لوٹا اور اقبال کا موٴقف ایک بار پھر سچ ثابت ہوا۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری اسی حوالے سے لکھتے ہیں:

''اقبال کے الفاظ میں تحریک خلافت کیا تھی۔ اہل مغرب سے خلافت کی بھیک مانگی جارہی تھی۔ ان کے نزدیک ایسی خلافت مسلمانوں کے زور بازو کا نتیجہ نہ ہو، بے معنی و مہمل ہے"۔

نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا
خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
خریدیں نہ جس کو ہم اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشائی[x]

دوسری طرف علامہ اقبال کی مستقبل بین نگاہوں سے فلسطین کے حالات پوشیدہ نہیں تھے۔ وہ ۱۹۱۷ء کے اعلان بالفور کے فلسطینی مسلمانوں پر ممکنہ اثرات کا تعین کر چکے تھے۔ اسی لیے ۱۹۱۹ء میں موچی دروازہ، لاہور میں ایک ریلی سے خطاب کیا اور فلسطین کے حق میں قرار داد منظور کروائی۔ ۱۹۲۲ء میں علامہ اقبال نے اپنی شہرہ آفاق طویل نظم ''خضر راہ'' لکھی جو ۲۱، اپریل ۱۹۲۲ء کو انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے میں پڑھی۔ اس نظم کو سننے کے لیے بیس ہزار سے زائد کا مجمع اکٹھا ہو گیا، مسلمانوں کی حالت زار پر علامہ اقبال خود بھی روئے اور مجمع کو بھی اشکبار کیا۔ اس نظم میں سلطنت عثمانیہ کے خاتمے کا نوحہ اور فلسطینی مسلمانوں کی کسمپرسی کا عکس تھا۔ لیکن ۱۹۲۳ء میں ترکوں کی فتوحات، جنگ سقاریا کی کامیابی اور ادرنہ کی فتح پر انھوں نے

"طلوع اسلام" لکھی جس میں امید، حوصلہ، ولولہ اور وجد آفرین انداز اختیار کیا۔ ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۸-۲۹ء میں مسلم یہودی تصادم پر بھی علامہ اقبال بہت رنجیدہ تھے۔ ۱۹۳۱ء وہ سال ہے جس کے دوران علامہ اقبال نے آزادی کے تینوں مقدمے لڑے، یعنی ۱۴، اگست ۱۹۳۱ء کو کشمیری مسلمانوں کی حمایت، ستمبر میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے سفر انگلستان میں ہندوستانی مسلمانوں کا مقدمہ جبکہ دسمبر ۱۹۳۱ء میں یروشلم کا دورہ اور فلسطین کا مقدمہ لڑا۔

علامہ اقبال کے فرزند ڈاکٹر جاوید اقبال "زندہ رود" میں لکھتے ہیں کہ علامہ اقبال مولانا غلام رسول مہر کے ہمراہ مصر سے بذریعہ ٹرین بیت المقدس پہنچے جو خان یونس، غزہ اور مجدل سے گزر کر لُد پہنچی۔ یعنی علامہ اقبال نے آج کا میدان جنگ ایک صدی قبل دیکھ لیا تھا۔ گو کہ علامہ عرب مسلمانوں کو مستقبل کے بارے میں متنبہ کر چکے تھے۔ لاہور میں ۷ ستمبر ۹۲۹۱ء کو انگریزوں کی یہود نواز پالیسیوں کے خلاف علامہ اقبال کی زیر صدارت ایک احتجاجی جلسہ منعقد ہوا۔ اسی زمانے میں یروشلم میں فلسطینیوں کے قتل و غارت کے الم ناک واقعات رونما ہوئے تھے۔ اپنے صدارتی خطبے میں علامہ اقبال نے اس غیر انسانی سلوک کی مذمت کی اور یہودیوں کو یاد دلایا کہ ہیکل سلیمانی کے محل وقوع کی دریافت حضرت عمر فاروقؓ نے کی تھی اور یہ اُن پر حضرت عمرؓ کا احسان ہے۔ یہ مسلمان ہی تھے جنھوں نے یورپ کے ستائے ہوئے یہودیوں کو نہ صرف پناہ دی بلکہ انھیں اعلیٰ مناصب پر فائز کیا۔ اگر اُس وقت علامہ کو اندازہ ہوتا کہ اس جگہ شیر خوار بچوں، عورتوں اور بزرگوں سمیت مسلمانوں کی نسل کشی کی جائے گی تو اس غم کو برداشت نہ کر پاتے اور اسی خاک میں آہ و بکا کرتے ہوئے دفن ہوتے۔ گو کہ "پس چہ باید کرد! اے اقوام شرق" میں علامہ اقبال نے عرب مسلمانوں کو خبردار کیا لیکن شاید انھیں اس قدر مہذب و جدید دنیا سے اس بے حسی کی امید نہیں تھی۔ بہرکیف، علامہ اقبال لُد سے ٹرین بدل کر ۶ دسمبر ۱۹۳۱ء کی رات ساڑھے نو بجے بیت المقدس پہنچے جہاں مفتی سید امین الحسینی، مولانا شوکت علی اور منتظمین آپ کے منتظر تھے۔ موتمر کے اجلاس میں شرکت کے لیے مراکش، ریف، الجزائر، نائجیریا، سوڈان، مصر، طرابلس، شام، عراق، شرق اردن، فلسطین، حجاز، یمن، حضرموت، ایران، ترکی، چین، روسی ترکستان، بخارا، قفقاز، ایرال، یوگوسلاویہ، ہندوستان، سیلون، اور جاوا سے نمائندے جمع ہوئے تھے، جن میں ارباب علم، اہل سیاست، بزرگان دین اور مجاہدین کے نمائندے شامل تھے۔ اس سے اجلاس کی اہمیت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اجلاس کے بنیادی مقاصد میں سب سے اہم یہ تھا کہ مسلمانوں کو فلسطین پر یہودیوں

کے ناجائز قبضے کے سنگین مسئلے کا احساس دلایا جائے اور صہیونی خطرے کے خلاف اتحادِ عالمِ اسلام کی تدابیر پر غور کیا جائے۔ علامہ اقبال نے اجلاس کی مختلف نشستوں میں شرکت کی۔ ایک نشست میں علامہ اقبال کو نائب صدر بنایا گیا۔ اس دوران علامہ اقبال نے مقاماتِ مقدسہ اور آثارِ قدیمہ کی زیارت کی، جس میں بیت اللحم میں کلیسائے مولد مسیح، الخلیل میں متعدد پیغمبروں کے مدفن، بیت المقدس شہر میں قابلِ دید مقامات، عمارات اور آثار دیکھے، فلسطین کے اسلامی اوقاف کا بھی معائنہ کیا[xi]۔

علامہ اقبال جسمانی طور پر تو بیت المقدس سے واپس آ گئے لیکن ارض فلسطین سے ان کا قلبی تعلق وفات تک قائم رہا۔ جولائی ۱۹۳۷ء کو رائل کمیشن رپورٹ کے خلاف تفصیلی بیان جاری کیا۔ جولائی اور ستمبر ۱۹۳۷ء میں نیشنل لیگ آف انگلینڈ کی مس فارقواہرسن کے نام اپنے خطوط میں فلسطینی عوام کی وکالت کی اور انگلستان کے اقدامات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی[xii]۔ اس سلسلہ میں جولائی ۱۹۳۷ء میں برطانیہ کے رائل کمیشن کی رپورٹ میں تقسیم فلسطین کی تجویز پیش کی گئی جس پر اقبال بہت مضطرب ہوئے اور مسلم لیگ کے اکابرین کو ہدایت کی کہ لاہور میں ایک جلسہ منعقد کریں۔ علامہ اقبال نے انگریزی میں ایک زبردست بیان تیار کیا جسے جلسہ عام میں پڑھ کر سنایا گیا جو علامہ اقبال کے آخری سال کی اہم تحریروں میں شامل ہوا۔ فرماتے ہیں:

> "فلسطین میں یہود کے لیے ایک قومی وطن کا قیام تو محض ایک حیلہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ برطانوی امپیریلزم مسلمانوں کے مقامات مقدسپ میں مستقل انتداب اور سیادت کی شکل میں اپنے لے ایک مقام کی متلاشی ہے۔ بقول ایک ممبر پارلیمنٹ کے یہ ایک خطرناک تجربہ ہے اور اس سے برطانیہ کو بحیرہ روم میں جو مشکلات درپیش ہیں رفع نہ ہو سکیں گی، بلکہ ان مشکالت کو رفع کرنے کی بجائے یہ تجویز برطانوی شہنشاہیت کے لیے بہت سے نئے مصائب کا پیش خیمہ ثابت ہو گی"[xiii]۔

وفات سے چند ماہ قبل علامہ اقبال نے ۷ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو قائداعظم کے نام ایک مکتوب میں فلسطین کے مسئلے پر اپنے جذبات کا اظہار کیا اور فلسطینی بھائیوں کے لیے عملی اقدام پر زور دیا، فرمایا کہ اس مسئلے پر میں جیل جانے کے لیے بھی تیار ہوں[xiv]۔ علامہ کی ہدایات کے پیش نظر اور مسلم امہ کی ترجمانی کرتے

ہوئے ۱۹۴۸ء میں قائداعظم نے اسرائیل کو تقسیم کرنے سے یکسر انکار کر دیا۔ قائداعظم کی وفات سے آج تک حکومتی موٴقف یہی رہا ہے۔ آج بھی ہمیں اپنے قائدین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے فلسطینی بھائیوں کے لیے عملی اقدام کرنا ہوں گے۔ آج وہ بے دریغ اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں جبکہ مسلم امہ کی بے حسی اور مجرمانہ خاموشی کا جواب ہم سب کو روز قیامت دینا ہو گا۔ آج غزہ کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا ہے، گھر، دفتر، سکول، کالج، تفریح گاہیں یہاں تک کہ ہسپتال بھی نیست و نابود کر دیے گئے ہیں۔ آج ۵۷، اسلامی ممالک کسی نہ کسی طور امریکہ و مغرب کے زیر اثر ہیں۔ لیکن خودی، خودداری، حریت اور جہاد کے علمبردار فلسطینی مسلمان علامہ اقبال کے اس شعر کی عملی تفسیر پیش کر رہے ہیں:

سنا ہے میں نے غلامی سے امتوں کی نجات
خودی کی پرورش و لذت نمود میں ہے[xv]

اقبال عالمی امن کی خاطر جینوا میں لیگ آف نیشنز کے قیام سے مطمئن نہ تھے۔ بلکہ کہا کرتے تھے کہ چند کفن چوروں نے قبروں کی تقسیم کے لیے ایک انجمن بنائی ہے۔

من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند
بہر تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند[xvi]

یہ اقوام کی انجمن ہے۔ یہاں وحدتِ آدم کی گنجایش نہیں ہے۔ اقبال کی نظر میں وحدت اقوام کا تصور مہلک نتائج کا حامل ہے۔ اس کی جگہ وحدتِ آدم کے لیے مجلس کا قیام ہونا چاہئے۔ اس مرکزی عالمی انجمن کے قیام کے لیے اقبال کی نظر میں جینوا نہیں تہران سب سے بہتر جگہ ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو کرہٴ ارض کی تقدیر بدل سکتی ہے۔

طہران ہو گر عالمِ مشرق کا جینوا
شاید کرہٴ ارض کی تقدیر بدل جائے[xvii]

عرب دنیا کی موجودہ صورت حال

ریاست اسرائیل کے قیام سے آج تک علاقے میں امن نصیب نہیں ہوا۔ وہ ۱۹۴۸ء کی عرب اسرائیل جنگ ہو یا ۱۹۶۷ء کی، دونوں جنگوں میں اسرائیل کا پلڑا بھاری رہا جبکہ عربوں کو ہزیمت اٹھانا پڑی۔ فلسطینی مجاہدین پہلے دن سے اسرائیل کے خالف بر سر پیکار ہیں لیکن مسلم امہ کی بے حسی اور بے اعتنائی نے اس

کی ہولناکی میں اضافہ کر دیا ہے۔ آج باہر کی دنیا ان زمینی حقائق کا ادراک کرنے سے قاصر ہے جس کے تحت طوفان الاقصی آپریشن شروع کیا گیا۔ فلسطینی و لبنانی قیادت جو صحابہ اکرام رضوان اللہ الیہم اجمعین کی شہادتوں کی روایت کو زندہ کیے ہوئے ہیں، نتائج کا ادراک ضرور رکھتی ہو گی۔ ایک سال سے زائد عرصہ سے جاری اس بربریت میں اب تک 50 ہزار سے زائد فلسطینی عوام جن میں خواتین بوڑھے بچے جوان شامل ہیں، شہید ہو گئے۔ 50 لاکھ کے قریب زخمی ہسپتالوں میں پڑے ہیں۔ اسرائیل کے سامنے عالمی عدالت انصاف بے بس نظر آتی ہے جبکہ اقوام متحدہ کی قراردادیں اور اپیلیں بے اثر۔ آج سوال یہ اٹھتا ہے کہ آخر اسرائیل کی جارحیت کو کون روکے گا۔ جو ممالک اسرائیل کے لیے خطرہ بن سکتے تھے امریکہ اور نیٹو افواج نے تو انہیں تباہ کر دیا جن میں لیبیا، عراق، شام، یمن اور مصر قابلِ ذکر ہیں۔ اس وقت ایران اسرائیل کے میزائیلوں کے نشانے پر ہے۔ اس صورت حال میں مملکت خداداد پاکستان کو دیکھیں تو اسے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کی سازشوں کے تحت کمزور کرنے کی سازش کی جارہی ہے۔ آج پھر پچھلی صدی کی طرح قیادت کا فقدان امت مسلمہ کا مقدر ہے۔

حاصل کلام

عراق، شام، فلسطین، یمن، لبنان اور فلسطین میں جاری جنگوں اور سیاسی بحرانوں کے تناظر میں مسلمانوں کا مستقبل مخدوش نظر آتا ہے۔ ان ممالک میں جاری جنگوں اور بحرانوں کا اثر نہ صرف ان ممالک پر بلکہ پورے خطے اور دنیا کے دیگر حصوں پر بھی پڑ رہا ہے۔ مثلاً، عراق فرقہ وارانہ کشیدگی اور سیاسی عدم استحکام کا شکار ہے۔ ایران اور مغربی طاقتوں کے درمیان اثر و رسوخ کی لڑائی، اور کردوں کی خود مختاری کے لیے مطالبات اس بحران کو مزید پیچیدہ بناتے ہیں۔ عراق کا مستقبل مشرق وسطی کے سیاسی توازن پر اثرانداز ہو سکتا ہے۔ اسی طرح شام میں جاری خانہ جنگی نے لاکھوں افراد کی جانیں لے لی ہیں اور کروڑوں کو بے گھر کر دیا ہے۔ پہلے ایرانی اور روسی حمایت یافتہ شامی حکومت اور مخالف اکائیوں و اقلیتی گروپوں کے درمیان لڑائی نے ملک کو تقسیم کر دیا ہے۔ لیکن اب شامی حکومت کے خاتمے کی وجہ سے پیدا شدہ خلا کی وجہ سے ملک کے مستقبل میں ایک طویل عرصے تک سیاسی و سماجی عدم استحکام پیدا ہو گیا ہے، جو کہ امت مسلمہ کے لیے خطرے کی گھنٹی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے ارشاد مبارک کا مفہوم ہے کہ "شام میں امن، امت میں امن جبکہ شام کی خرابی، امت کی خرابی ہے"۔ اس لحاظ سے یہ صورت حال اور بھی گھمبیر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح فلسطین کا مسئلہ ایک طویل عرصے سے جاری ہے اور اسرائیل کے ساتھ تنازعہ اب بھی حل طلب ہے۔ فلسطینیوں کے حقوق، علاقے کی آزادی، اور

بین الاقوامی سطح پر حمایت کے مسائل حل نہیں ہو سکے ہیں۔ اسرائیل کی جانب سے فلسطینی علاقوں پر تسلط اور وہاں کی موجودہ صورت حال نے فلسطینیوں کی زندگی میں مشکلات بڑھادی ہیں۔ مسلمانوں کا مستقبل اس بات پر منحصر ہو سکتا ہے کہ فلسطین کے مسئلے کو کس طرح حل کیا جاتا ہے۔ یمن میں سعودی عرب اور ایران کی باہمی جنگ نے پورے خطے میں تنازعے کو بڑھادیا ہے۔ یمن کی موجودہ صورتحال، جہاں لاکھوں افراد قحط اور جنگ کی وجہ سے متاثر ہو چکے ہیں، مسلمانوں کے لیے ایک بہت بڑی انسانی المیہ ہے۔ اس بحران کا حل نہ صرف یمن کے عوام کے لیے ضروری ہے بلکہ پورے خطے کی سیاسی اور سماجی استحکام کے لیے بھی۔ جبکہ لبنان میں سیاسی بحران، فرقہ وارانہ کشیدگی اور اقتصادی مسائل نے ملک کو شدید مشکلات میں ڈالا ہے۔ تازہ حزب اللہ اسرائیل تنازعے نے ایک نئے بحران کو جنم دیا جس سے ملک کی سیاسی صورت حال میں بہتری کی کوئی واضح امید نظر نہیں آتی۔

الغرض، جنگوں اور تنازعات نے مسلمانوں کی زندگیوں کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے، جہاں لاکھوں افراد بے گھر، زخمی یا قتل ہو چکے ہیں۔ ان بحرانوں کے باعث مسلمان دنیا کے مختلف حصوں میں مہاجر بننے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ جنگوں نے اقتصادی استحکام کو متاثر کیا ہے، جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی بڑی تعداد غربت اور معاشی مشکلات کا شکار ہے۔ مزید براں، جنگوں نے مسلمانوں کو فرقہ وارانہ بنیادوں پر تقسیم کیا ہے، اور ان میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت واختلافات بڑھائے ہیں۔ اس کا اثر نہ صرف ان ممالک پر بلکہ پوری مسلم دنیا پر پڑ رہا ہے۔

مسلم امہ کو درپیش جنگوں اور بحرانوں کا حل ہمیں بانگ درا کی ان طویل نظموں سے ملتا ہے۔ اقبال ان میں دیانت، شجاعت، عدالت کو درس دیتے ہیں، مسلمانوں کو ذہنی کشمکش، مغربی تہذیب کی مرعوبیت سے نکال کر یقین محکم اور عمل پیہم کا سبق دیتے ہیں۔ اقبال کے نظریہ خودی، فلسفہ حرکت و عمل، سائنسی تعلیم کے حصول، سیاسی استحکام، اقتصادی تعاون، اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو فروغ دے کر بہتر مستقبل کی امید کی جا سکتی ہے۔ اس کے لیے امت کو باہمی مفاہمت، یگانگت اور انصاف کے اصولوں پر کام کرنا ہو گا، تاکہ خطے میں دیرپا امن قائم ہو سکے۔

حوالہ جات

---

i احمد، عزیز، اقبال: نئی تشکیل۔ لاہور: مکتبۂ اردو، 1947ء، ص ۳۴

ii اقبال، سر محمد۔ اقبال کی طویل نظمیں: فکری و فنی مطالعہ۔ شارح: ہاشمی، ڈاکٹر رفیع الدین۔ لاہور: سنگِ میل پبلیکیشنز،2004، ص ۴۸

iii اقبال، سر محمد، شکوہ، جواب شکوہ: تشریح و تجزیہ۔ شارح: عابد، سید عابد علی۔ نئی دہلی: آہلووالیہ پبلیشرز،۱۹۷۹ء، ص۶

iv اقبال، سر محمد۔ کلیاتِ اقبال: اردو۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 2021ء، ص۲۰۸

v اقبال، سر محمد۔ کلیاتِ اقبال: اردو۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 2021ء، ص ۲۱۲

vi اقبال، سر محمد۔ کلیاتِ اقبال: اردو۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 2021ء، ص۲۲۱

vii اقبال، سر محمد۔ کلیاتِ اقبال: اردو۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 2021ء، ص۲۴۳

viii اقبال، سر محمد۔ کلیاتِ اقبال: اردو۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 2021ء، ص ۲۳۲

ix اقبال، سر محمد۔ کلیاتِ اقبال: فارسی۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۳ء، صفحہ ۲۰۰

x اقبال، سر محمد۔ کلیاتِ اقبال: اردو۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 2021ء، ص ۲۸۱

xi اقبال، جاوید۔ زندہ رود: علامہ اقبال کی مکمل سوانح حیات۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان،2004ء، ص۵۲۵-۵۲۶

xii اقبال، سر محمد۔ اقبال نامہ حصہ اول: مجموعہ مکاتیب اقبال۔ مرتب: اللہ، شیخ عطاء۔ لاہور: شیخ محمد اشرف،1944ء، ص۴۴۸

xiii اقبال، سر محمد۔ اقبال نامہ حصہ اول: مجموعہ مکاتیب اقبال۔ مرتب: اللہ، شیخ عطاء۔ لاہور: شیخ محمد اشرف،1944ء، ص۴۵۳

xiv اقبال، سر محمد۔ اقبال کے خطوط جناح کے نام۔ مترجم: عالم، محمد جہانگیر، مرتب: عالم، محمد جہانگیر، ایڈیٹر: جناح، محمد علی، اللہ، شیخ عطاء۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 2002ء، ص ۸۰

xv اقبال، سر محمد۔ کلیاتِ اقبال: اردو، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 2021ء، ص۶۷۱

xvi اقبال، سر محمد۔ کلیاتِ اقبال: فارسی، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1993ء، ص۳۲۵

xvii اقبال، سر محمد۔ کلیاتِ اقبال: اردو، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 2021ء، ص۶۵۹